صحابہ کرام کا ادبی ذوق اور تنقیدی بصیرت

ڈاکٹر محمد سرور عالم ندوی

لا تدع العرب الشعر حتی عربوں کی شعر سے کنارہ کشی اسی طرح
تدع الابل الحنین [۱] ناممکن ہے جس طرح اونٹوں کا اپنے بچوں سے ترک تعلق

زبانِ نبوت سے نکلے ہوئے ان الفاظ کا اطلاق صحرائے عرب کے ان بادیہ نشینوں پر ہی نہیں ہوتا جن کی عادات اور مزاج میں سنگلاخ و بے آب وگیاہ وادیوں کی سختی ودرشتی کا عنصر شامل تھا، بلکہ اس کے مصداق وہ نفوسِ قدسیہ بھی ہیں جو آغوشِ نبوت کے پروردہ اور بارگاہِ رسالت کے تربیت یافتہ تھے، جنھیں حضور رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کی ہم نشینی کا شرف حاصل تھا۔

ادبی اور فنی کمال محض تلذذ ذہن وخیال کا سامان بھی ہو سکتا ہے اور اصلاحِ فکر وحال اور درستگی معاشرہ وماحول کا ذریعہ بھی بن سکتا ہے، زمانۂ جاہلیت کا شعر وادب صرف ولولہ انگیزی، جذبات نگاری اور منظر کشی کی حدود ہی میں گردش کرتا رہا اور کبھی معاشرے کی اصلاح وتربیت کا جذبہ کار فرما نہیں ہوا، جس کے نتیجہ میں فن برائے فن کا عمل تو وجود میں آیا مگر فن برائے زندگی نہ بن سکا، اس کی طرف سب سے پہلے محسنِ انسانیت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے توجہ فرمائی اور اصلاحِ سخن کو کارِ نبوت کا فریضہ قرار دیتے ہوئے ادب کا ایک صالح اور پاکیزہ مقصد پیش فرمایا ارشاد ہے:

ان من البیان سحرا بے شک بعض کلام سحر انگیز ہوتے ہیں

اوان من الشعر حکما[۲]	بعض اشعار حکمت و معانی کا خزینہ

کبھی فرمایا :

انما الشعر کلام مؤلف	بے شک شعر بھی ایک مرتب کلام
فما وافق الحق منہ فہو	ہے پس جو حق کے موافق ہو وہ تو خوب
حسن، وما لم یوافق الحق	ہے، اور جو حق کے مخالف ہو اس میں
منہ فلا خیر فیہ[۳]	کوئی خیر نہیں ۔

کسی موقع پر ارشاد فرمایا :۔

انما الشعر کلام،	بے شک شعر بھی کلام کی ایک
فمن الکلام خبیث و	قسم ہے اور کلام اچھا بھی ہوتا ہے
طیب[۴]	اور برا بھی ۔

ان اقوال کے ذریعہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ادب کی جہت متعین فرمادی، بیہودہ اور لایعنی کلام کی نکیر اور پاکیزہ اور بامقصد کلام کی تحسین فرمائی، اور اسے تائیدِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیا، آپؐ نے حضرت حسانؓ سے فرمایا :

قل و روح القدس معک[۵]	اے حسان شعر کہو روح القدس تمہارے ساتھ ہیں۔

اسی طرح ایک موقع پر ارشاد فرمایا :

انزلوا الناس	لوگوں کو ان کے مرتبہ کے مطابق
منازلہم[۶]	حیثیت دو ۔

حیثیت دینے میں مقام و مرتبہ کے ساتھ زبان و بیان اور لب ولہجہ بھی شامل ہے ۔ آپؐ نے فرمایا :۔

إنا أمرنا معشر الأنبياء بان	ہم جماعتِ انبیاء کو حکم دیا گیا ہے کہ
نكلم الناس على مقادير عقولهم[۷]	ہم لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق گفتگو کریں ۔

ان ارشادات کے ذریعہ ہادی عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے نسلِ انسانی کو یہ باور کرادیا کہ کلام و گفتگو میں مخاطب کی ذہنی سطح اور معیارِ علم و فہم کی رعایت ضروری ہے اگر اسے ملحوظ نہ رکھا گیا تو پھر کلام کا خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہوسکتا اور کلام کسی دیوانے کی بڑ اور شاخِ آہو پر آشیانے کی مثال بن کر رہ جائے گا۔

آپؐ کی تعلیمات آپ کے پیروکاروں کو کلام کی نوعیت، اس کی جہت اور موقع ومحل کے اعتبار سے اسلوب و انداز بیان کے انتخاب اور فکر وخیال کو اصل مقام دینے کی طرف رہنمائی فرماتی ہیں۔ کیوں کہ ادب صرف پرشکوہ الفاظ کا قلعہ تعمیر کردینے کا نام نہیں بلکہ مخاطب کی ذہنی سطح اور معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کلام کو زیادہ سے زیادہ سودمند بنانے کا نام ہے، جس سے رجحانات متاثر ہوتے ہیں، دائرۂ فکر وخیال میں تبدیلی آتی ہے اور پھر وہی رجحانات دنیا میں انقلاب برپا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔

یہی وہ پاکیزہ فکر اور عظیم نکتہ تھا جس کو دامنِ نبوت سے وابستہ اصحاب رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین نے اپنے ذہن ودماغ میں بسا لیا تھا اور اسی فکر کو عام کرنے میں لگے ہوئے تھے، یعنی قائل کے بجائے قول کی اہمیت کا فلسفہ ہمیشہ ان کے پیشِ نظر رہا۔ ان کی کوشش یہ رہی کہ ایسا ادب وجود میں آئے جو قاری کی صحیح رہنمائی کرسکے۔

ظاہر ہے یہ عظیم مقصد زبان وادب کے رطب ویابس کو جمع کرلینے یا نقل اتار لینے سے حاصل نہیں ہوسکتا، بلکہ اس کے لیے تنقید کا عمل ضروری تھا تاکہ کلام کے حسن وقبح اور خوبی وخامی کو اجاگر کرکے سماج کو صحیح رخ پر ڈالا جاسکے۔

حضرات صحابہ کرامؓ نے زبان وادب میں اپنی بے مثال صلاحیت ومہارت اور درسگاہِ نبویؐ سے مکمل استفادے کا عملی ثبوت پیش کیا ہے، ان کے ذوقِ نقد ونظر نے سب سے پہلے فنِ ادب کی سب سے اہم اور عربوں کی محبوب ترین اور موثر صنف شاعری کو اپنا مرکزِ توجہ بنایا ہے، اور اس سے اپنے شغف اور دلچسپی اور موقف کو ظاہر کرکے اس کی اچھائی اور برائی کو واضح کیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے ام المومنین حضرت عائشہؓ کی مثال پیش کی جاتی ہے، ان کے سلسلہ میں موسیٰ بن طلحہ کہتے ہیں "ما رأیت احدًا افصح من عائشة" (میں نے عائشہ صدیقہؓ سے زیادہ کسی کو فصیح اللسان نہیں دیکھا) اور ہشام بن عروہ کی روایت ہے کہ "ما رأیت احدًا من الناس اعلم بالقرآن ولا بفریضةٍ ولا بحلال وحرام ولا بشعر ولا بحدیث العرب ولا النسب من عائشة"[۹] (میں نے لوگوں میں کسی کو بھی حضرت عائشہ سے بڑھ کر قرآن، میراث، حلال وحرام، شعر، واقعات

عرب اور نسب کا واقف کار نہیں دیکھا) زبان و ادب پر ان کی گرفت کا غماز صحیح بخاری میں ام زرع کا قصہ ہے جسے ادبِ عالیہ کا اعلیٰ نمونہ قرار دیا جا سکتا ہے شعر کے سلسلہ میں حضرت عائشہؓ کا موقف یہ ہے "الشعر منه حسن ومنه قبیح، خذ بالحسن ودع القبائح"[۱۰] (شعر اچھے بھی ہوتے ہیں اور برے بھی، اچھے کو قبول کرلو اور برے کو رد کردو)

علامہ ابن عبدالبر نے "الاستیعاب" میں حضرت ابوبکرؓ کے سلسلہ میں تحریر فرمایا ہے کہ حضرت ابوبکر عرب میں شعر و سخن کے جوہری تھے، ان کے شعری و ادبی ذوق کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک روز آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ساتھ بیٹھے ہوئے اپنے عہدِ شباب کے ایام یاد فرما رہے تھے، اسی ضمن میں "قس بن ساعدہ" کا تذکرہ بھی آ گیا، آپؐ نے سوقِ عکاظ میں اس کے بیان کردہ کلام کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہا کہ مجھے وہ یاد نہیں ہے اس پر حضرت ابوبکرؓ نے کہا یا رسول اللہ مجھے یاد ہے اور اس کی پوری تقریر اور اشعار بیان کر دیے[۱۱]

مسند امام احمد میں حضرت ابوبکر سے مروی تمثیل کا وہ شعر منقول ہے جسے وہ اکثر پڑھا کرتے تھے۔

إذا أردت شريف الناس كلهم ۔۔۔ فانظر إلى ملك في زي مسكين[۱۲]

(اگر تم لوگوں میں سب سے شریف شخص کو دیکھنا چاہو تو اس بادشاہ کو دیکھو جو فقیر کی گدڑی میں ہو)

ہجرتِ مدینہ کے بعد حضرت ابوبکرؓ بخار میں مبتلا ہو گئے، جب بخار چڑھتا تو یہ شعر پڑھتے:

كل امرئ مصبح في اهله ۔۔۔ والموت ادنى من شراك نعله[۱۳]

(ہر شخص اپنے اہل و عیال میں مست ہے حالانکہ موت اس کے جوتے کے تسمے سے بھی زیادہ قریب ہے)

اسی طرح امام جرجانی (دلائل الاعجاز ص۱۱) نے زبیر بن بکار کی روایت سے نقل کیا ہے کہ ایک شعر کے سلسلہ میں حضور اکرمؐ کے استفسار پر حضرت ابوبکرؓ نے صحیح شعر پڑھا تھا۔ یہ روایتیں ان کے حسنِ ذوق کا واضح ثبوت ہیں، امام قیروانی (العمدہ، جلد اول ص۱۹) نے آنحضرتؐ کے وصال پر حضرت ابوبکرؓ کے پندرہ اشعار نقل کیے ہیں، مگر ان کا یہ بیان معیارِ نقد و نظر پر پورا نہیں اترتا، ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں لکھا ہے کہ ان اشعار

کی حضرت ابوبکرؓ کی طرف نسبت غلط ہے اور طبری نے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :۔

ماقال ابوبکر شعرًا قط،	ابوبکر نے کبھی شعر نہیں کہا۔ تم لوگ
ولکنکم تکذبون علیہ	غلط بیانی سے کام لے رہے ہو۔

حضرت عمر فاروقؓ کو ابن رشیق نے وقت کا سب سے بڑا نقاد قرار دیا ہے :

"وکان من انقد اھل زمانہ للشعر وانفذھم فیہ معرفۃ"[۱۴] اور جاحظ نے ان کے بارے میں عالیشی کا یہ قول نقل کیا ہے "کان عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالی عنہ اعلم الناس بالشعر"[۱۵] حضرت عمرؓ شعر کے سلسلہ میں لوگوں میں سب سے زیادہ باخبر تھے۔

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ نے اپنے بھائی زید بن خطاب کی شہادت پر "متمّم بن نویرہ" سے وہ اشعار سنانے کی فرمائش کی جو اس نے اپنے بھائی مالک کے قتل کے بعد کہے تھے۔ اشعار سننے کے بعد حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر مجھے بھی شاعری آتی تو میں بھی ویسا ہی مرثیہ کہتا جیسا تم نے اپنے بھائی کے لیے کہا ہے، اس پر متمّم نے کہا امیر المومنین اگر میرے بھائی کی موت آپ کے بھائی کی شہادت جیسی ہوتی تو میں کبھی ایسے اشعار نہ کہتا، اس پر حضرت عمرؓ نے فرمایا میرے بھائی کی شہادت کے بعد متمّم بن نویرہ کی طرح کسی نے میری تعزیت نہیں کی[۱۶]

شعر کے سلسلہ میں حضرت عمرؓ کا موقف بالکل جداگانہ تھا، فرماتے تھے:

الشعر علم قوم لم یکن لھم	شعر قوم کا ایسا علم ہے جس سے
علم أعلم منہ[۱۷]	بڑھ کر کوئی علم نہیں

انھوں نے اپنے عہدِ خلافت میں حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو لکھا :۔

"مر من قبلك بتعلّم الشعر	اپنے ماتحتوں کو شعر سیکھنے کا حکم دو
فانہ یدلّ علی معالی	اس لیے کہ یہ اخلاق کی بلندی، رائے کی
الأخلاق وصواب الرائی	درستگی اور علم الانساب کی معرفت کی طرف
ومعرفۃ الأنساب"[۱۸]	رہنمائی کرتا ہے۔

ایک مرتبہ اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

"یابُنیّ النسب نفسک تصل	بیٹے اپنا نسب یاد رکھو تاکہ صلہ رحمی
رحمک، واحفظ محاسن الشعر	کرسکو اور اچھے اشعار یاد کرو تاکہ ادبی
یحسن أدبک، فان من لم یعرف	ذوق نکھر سکے۔ جو اپنا نسب نہیں جانتا
نسبہ لم یصل رحمہ، ومن لم	وہ صلۂ رحمی نہیں کرسکتا اور جو اچھے اشعار
یحفظ محاسن الشعر لم یؤدّ حقًا ولم	یاد نہیں کرتا اس کا ذوقِ ادب نہیں نکھرتا۔
یحسن ادبًا" [۱۹]	

حضرت عثمان غنیؓ کے کلام میں فصاحت وبلاغت اور الفاظ کے انتخاب میں موزونیت کو اولیت حاصل تھی، حضرت علیؓ کے نام ایک خط میں شاس بن نہار کے اس شعر کے ذریعہ کتنی لطیف مثال پیش کی ہے۔

فان کنتُ ماکولاً فکن انت آکلی ۔۔۔ والاّ فادرکنی ولمّا امزّق [۲۰]

(یعنی اگر میں کسی کی خوراک بنوں تو تم ہی مجھے اپنی خوراک بنالو ورنہ میرے پاس پہونچ جاؤ قبل اس کے کہ میرے پرخچے اڑجائیں۔)

حضرت علیؓ کو عربی ادب کے مشہور مؤرخ احمد حسن زیّات نے رسولِ اکرمؐ کے بعد عربوں کا سب سے بڑا فصیح اللسان اور انشاپردازی کا امام کہا ہے[۲۱]۔ عقاد نے ان کے طرزِ بیان کو منفرد قرار دیا ہے اور ضرب الامثال اور تعبیرات کے استعمال پر ان کی قدرت کا ذکر کیا ہے[۲۲]۔ حضرت علیؓ خود بھی شعر گوئی کا بہترین ملکہ رکھتے تھے، یوں تو ان کی طرف بہت سے اشعار منسوب ہیں جو اربابِ نقد ونظر کی میزانِ تحقیق میں بحث ونظر کا موضوع رہے ہیں، لیکن اس سے صرفِ نظر آپ کے بعض اشعار احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں، مثلاً معرکۂ خیبر میں آپ کا رجزیہ شعر:-

انا الذی سمّتنی اُمّی حیدرہ ۔۔۔ کلیث غاباتٍ کریہ المنظرہ [۲۳]

(میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے، میں خوفناک گھنے جنگل کے شیر کی طرح ہوں)

حضرت فاطمہؓ کے انتقال پر حضرت علیؓ نے یہ اشعار کہے تھے:

لکل اجتماع من خلیلین فرقۃ ۔۔۔ وکل الذی دون الفراق قلیل

وانّ افتقادی واحداً بعد واحدٍ ۔۔۔ دلیل علی ان لایدوم خلیل [۲۴]

(ہر دو دوستوں کے لیے وصال کے بعد جدائی لازم ہے، جدا نہ ہونے والے

بہت کم لوگ ہوتے ہیں۔ ایک کے بعد ایک مجھ سے جدا ہو رہا ہے۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ کسی دوست کو دوام نہیں)

شعر کے سلسلہ میں حضرت علیؓ کہا کرتے تھے:

الشعر میزان الکلام[۲۵] — شعر ہی معیار و میزان کلام ہے

حضرت معاویہؓ زبان و ادب کے بڑے رمز شناس اور دقیقہ رس تھے، شعر کے سلسلے میں کہا کرتے تھے:

یجب علی الرجل تادیب ولدہ، و الشعر اعلی مراتب الادب[۲۶] — انسان پر اپنی اولاد کو ادب سکھانا واجب ہے اور شعر ادب کے اعلیٰ مراتب میں سے ہے۔

حضرت معاویہؓ نے ایک موقع پر اپنے لڑکے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

یابنی ارو الشعر وتخلّق بہ[۲۷] — بیٹے شعر بیان کرو اور اس کے ذریعہ اپنے کو محبوب بناؤ۔

حضرت سعید بن مسیبؓ سے عراق کے کچھ لوگوں کی شعر سے نفرت اور بے رغبتی کی شکایت کی گئی تو آپ نے فرمایا نسکوا منسکا عجمیاً[۲۸] (وہ لوگ عجمی زہّاد بن چکے ہیں)

ایک مرتبہ حضرت حسّان بعض صحابہ کرامؓ کو اشعار سنا رہے تھے اور وہ حضرات قدرے بے توجہی سے سن رہے تھے، حضرت زبیرؓ کا ادھر سے گذر ہوا تو انھوں نے ان کی نکیر کی اور فرمایا " ابن الفریعہ کے اشعار سے اس قدر بے توجہی، جب کہ آنحضرتؐ انھیں غایت درجہ اہتمام اور توجّہ سے سنا کرتے تھے[۲۹]

جن صحابہ کرام کا اوپر ذکر ہوا ہے ان کے علاوہ بھی بہت سے ایسے اصحاب کے نام ملتے ہیں جن کے شعر و سخن سے متعلق بیانات مختلفِ اصناف ادب سے ان کی انتہائی دلچسپی، وارفتگی اور دقیقہ رسی کے غمّاز ہیں۔

صحابہ کرامؓ کا ذوق شعر و سخن صرف الفاظ کے استعمال اور ان کے دروبست کے حدود میں سمٹ کر نہیں رہ گیا تھا، بلکہ وہ فکر و خیال کی عظمت اور معانی کی پاکیزگی وطہارت کو اصل معیار قرار دیتے تھے۔ وہ اصلاً اسی زاویۂ نگاہ کی بنیاد پر مختلف شعرا

کو ایک دوسرے پر سندِ فضیلت بھی دیا کرتے تھے، جو ان کی غیر معمولی وسعتِ نظر اور تنقیدی صلاحیت کا اعلیٰ ثبوت ہے۔

اس سلسلے میں حضرت عمر فاروقؓ کا اسم گرامی سب سے زیادہ نمایاں ہے انھوں نے عہدِ جاہلی کے مشہور شاعر زہیر بن ابی سلمیٰ کو "اشعر الشعراء" کا خطاب عطا کیا، ایک مرتبہ انھوں نے حاضرینِ مجلس سے فرمایا سب سے بڑے شاعر کے اشعار مجھے سناؤ، سوال کیا گیا وہ کون ہے؟ فرمایا زہیر[۳۱] ابو الفرج اصفہانی نے "کتاب الاغانی" میں نابغہ الذبیانی کے تذکرے میں حضرت عمرؓ کے حوالے سے اسے "اشعر العرب" قرار دیا ہے، ان کا یہ بیان ابن قتیبہ نے بھی اپنی کتاب "الشعر والشعراء" میں نقل کیا ہے، مشہور ادیب اور مؤرخ استاذ بیوم السباعی نے مذکورہ دونوں اقوال میں تطبیق دینے کی کوشش کی ہے، لکھتے ہیں: "حضرت عمرؓ نے ایک مرتبہ بنو غطفان کے ایک وفد کے ساتھ گفتگو کرتے ہوئے فرمایا تمہارا شاعر کون ہے؟ ان لوگوں نے کہا "نابغہ" تو حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ تمہارا سب سے بڑا شاعر ہے (یعنی قبیلۂ بنو غطفان کا سب سے بڑا شاعر) اور حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کہتے ہیں مجھ سے حضرت عمر نے فرمایا شاعروں کے امام کے اشعار سناؤ میں نے عرض کیا وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا، زہیر (یعنی اشعر شعراء العرب)[۳۱]

حضرت حسانؓ، ابو ذویب الہذلی کو اس کے تمام معاصرین پر فضیلت دیتے تھے، انھوں نے کہا "اشعر الناس حیًّا ھذیل" (زندہ لوگوں میں ہذیل سب سے بڑا شاعر ہے)

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ نے حطیئہ کو اشعر الشعراء کہا ہے۔[۳۳]

یہ سندِ فضیلت کسی نسبی تعلق یا غرض و منفعت کی بنیاد پر نہیں ہوتی تھی، بلکہ اشعار کے حسن و حلاوت، فکر و خیال کی بلندی و نزاکت، معانی کی پاکیزگی و لطافت اور الفاظ کی شیرینی و سلاست کی بنیاد پر متعین کی جاتی تھی، جس میں ان کی جودتِ طبع، وسعتِ نظر، فکری بلندی، تنقیدی شعور اور ستھرے ذوق کا سب سے زیادہ دخل ہوتا، یہ حضرات قوم و ملت کی اصلاح کے خواہاں اور انھیں راہِ راست پر لانے کے دلدادہ تھے، ان کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ سماج اور معاشرہ فکر و خیال کی پستی اور

اظہارِ بیان کی گندگی سے پاک ہو۔ اس کے لیے وہ ضروری خیال کرتے تھے کہ کلام میں ژولیدگی اور ثقل و پیچیدگی نہ ہو بلکہ صاف ستھرا انداز اختیار کیا جائے۔ اسی طرح کارآمد اور وقیع و مستحکم ادب کی تشکیل ہو سکے، جس میں الفاظ کی تمام تر رعنائی و دل فریبی بھی ہو اور معانی و خیال کی دل آویزی بھی۔ یہی وہ نکتہ ہے جس کو اربابِ نقد و نظر نے ہمیشہ اپنے پیش نظر رکھا اور ان کی اصلاحی کوششیں دونوں پہلوؤں سے تھیں۔ ان کے میزان تنقید و تجزیہ میں دونوں برابر رہے، ان کی نظر میں جتنی اہمیت معانی کی تھی اس سے کم اہمیت الفاظ و تراکیب کی نہ تھی، اس کا ثبوت ان کے وہ تنقیدی بیانات ہیں جن میں الفاظ و معانی دونوں کو معرض بحث بنایا گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کا تنقیدی شعور کس قدر بیدار اور حساس تھا۔

سیدنا ابوبکر صدیقؓ نزولِ قرآن کے بعد شعر کو قابلِ اعتنا نہ سمجھتے تھے اور اسی بنیاد پر ایک مرتبہ انھوں نے بارگاہِ رسالتؐ میں عرض کیا تھا "یا رسول اللہ أشعرٌ وقرآن"؟ (اے اللہ کے رسولؐ قرآن کے ہوتے ہوئے شعر کی کیا ضرورت ہے) آپ نے ارشاد فرمایا "ھذا مرۃ ھذا مرۃ" (کبھی یہ اور کبھی یہ) انھوں نے نابغہ ذبیانی کے کلام کا جو تجزیاتی مطالعہ پیش کیا وہ خالصتاً لغوی اور ادبی تجزیہ تھا، نابغہ کی شاعری پر کلام کرتے ہوئے فرمایا:

ھو احسنھم شعراً و اعذبھم بحراً والبعدھم قعراً ۳۵	وہ شعر کے اعتبار سے سب سے زیادہ عمدہ، بحر کے اعتبار سے سب سے زیادہ رواں اور ثقل و اغلاق سے پاک ہے۔

لبید بن ربیعہ کا شعر ہے:۔

الا کلّ شیٍٔ ما خلا اللہ باطل ۔۔۔ وکل نعیم لامحالۃ زائل

(خبردار اللہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے اور ہر نعمت کو لامحالہ فنا ہونا ہے)

اس پر حضرت ابوبکرؓ نے جو کلام فرمایا اس میں معنوی تنقید کا عنصر غالب ہے، انھوں نے پہلے مصرع کی تعریف کی لیکن دوسرے مصرع پر ارشاد فرمایا:

کذبتَ عند اللہ نعم ۔۔۔ تمھاری یہ بات صحیح نہیں، اللہ کے پاس بہت

لا متزول[۳۶] سی ایسی نعمتیں ہیں جو زائل نہ ہوں گی۔

یہ ارشاد صرف اس لیے تھا کہ رب العالمین کی الوہیت و ربوبیت اور اس کی قدرت کاملہ پر آنچ نہ آئے، اسے ان نفوس قدسیہ کا پاکیزہ ضمیر کبھی برداشت نہیں کر سکتا تھا، اس کی سب سے عمدہ مثال علامہ سیوطی کی وہ روایت ہے جس سے حالتِ نزع میں بھی حضرت ابوبکرؓ کی تنقیدی بصیرت کے ساتھ قوتِ ایمانی، عشقِ نبوی اور فکر کی اصلاح و درستگی کا اظہار ہوتا ہے۔ روایت ہے کہ حالتِ نزع میں ان کی محبوب بیٹی ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سرہانے بیٹھی یہ شعر پڑھ رہی تھیں:

من لایزال دمعہ مقنعا فانہ فی مرۃ مدفوق

(صبر و تحمل کی وجہ سے جس شخص کے آنسو اب تک رکے ہوئے ہیں وہ اب یکبارگی بہہ پڑیں گے)

حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا یہ نہ کہو بلکہ یہ کہو:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ موت کی بے ہوشی کا ٹھیک وقت آگیا

بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ اور یہ وہ چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے۔

(ق: ۱۹)

اس کے بعد حضرت عائشہؓ نے دوسرا شعر پڑھا:

وابیض یُستقی الغمام بوجہہ ثمال الیتامی عصمۃ للأراملِ

(ایسا گورا چٹا جس کے چہرے سے بادل بھی پانی طلب کرے، یتیموں کا ماویٰ اور بیواؤں کا ملجا ہے۔)

اس پر حضرت ابوبکرؓ بولے بیٹی، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان تھی۔[۳۷]

اسی طرح حضرت عمرؓ نے زہیر بن ابی سُلمیٰ کو سندِ فضیلت ہی عطا نہیں کی بلکہ اس کی وجہ امتیاز بھی بتایا، انھوں نے فرمایا:

انہ لایعاظل بین القول وہ قول میں پیچیدگی اختیار نہیں کرتا

ولا یتبع حوشی الکلام و تھا، نامانوس الفاظ استعمال نہیں کرتا

لا یمدح الرجل الا بما تھا اور لوگوں کی بے جا تعریفیں نہیں

ھو فیہ[۳۸] کرتا تھا۔

حضرت عمرؓ کا یہ تنقیدی بیان اپنے اندر لغوی معنوی اور ادبی تمام پہلوؤں کو سمیٹے

ہوئے ہے۔

عہدِ جاہلی کا مشہور شاعر "امرؤالقیس" جسے وہ "شاعر العرب"[۳۹] کہا کرتے تھے اس کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا:

امرؤ القیس سابقہم	امرؤالقیس شعراء میں سب سے آگے
خسف لہم عین الشعر	ہے، جس نے شعر کے چشمہ سے پانی
فافتقر عن معان عور	نکالا، اسی نے نامانوس ومتروک مضامین
اصح لبصر"[۴۰]	کو نیا کر دیا۔

حضرت علیؓ نے اسی شاعر "امرؤالقیس" کو اشعر الشعراء قرار دے کر اس کے کلام کا تجزیہ اس طرح فرمایا:

رأیتہ احسنہم نادرۃ	میں نے اس کو ندرتِ الفاظ
واسبقہم بادرۃ وانہ	میں سب سے بہتر اور جدّتِ خیال
لم یقل لرغبۃ ولا	میں سب سے فائق دیکھا، اس نے
رھبۃ۔[۴۱]	کبھی بھی خوف اور حرص کے لیے
	شعر نہیں کہا۔

حضرت کعب بن مالکؓ کا شعر ہے:

نصل السیوف اذا قصرن بخطونا یوماً ونلحقھا اذا لم تلحق

حضرت معاویہؓ نے شعر سن کر فرمایا:۔

اشجع بیت وصف بہ رجل	نہایت جرأت مندانہ شعر ہے جس کے
قومہ[۴۲]	ذریعہ شاعر نے اپنی قوم کی صفت بیان کی ہے

عہدِ جاہلی کے بڑے شاعر ابوکبیر ہذلی نے اپنے سوتیلے بھائی تابّطَ شرا کی تعریف میں چند اشعار کہے تھے ان میں سے دو اشعار یہ ہیں

ومبرّء من کل غبّر حیضۃ وفساد مرضعۃ وداء مغیل

واذا نظرت إلی أسرّۃ وجہہ برقت کبرق العارض المتہلّل

(وہ اپنی ماں کے تمام نسوانی عوارض سے اور دودھ پلانے والی دایہ کی تمام بیماریوں سے پاک ہے۔

اور جب تم اس کے چہرے کی لکیروں کو دیکھو تو برستے بادل کی چمکتی ہوئی بجلیوں کی طرح چمکتی ہوئی نظر آئیں گی)

یہ اشعار حضرت عائشہؓ نے حضور انورؐ کے سامنے پڑھ کر عرض کیا: یا رسول اللہ ان کے زیادہ مستحق تو آپ تھے، اس پر آپ مسکرانے لگے[۴۳]

یہ جملہ روایتیں حضرات صحابہ کرام کی شعر و سخن سے متعلق رائے اور اس پر عمدہ تبصرہ کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔

اسی طرح حضرت خنساءؓ نے حسان بن ثابتؓ کے اشعار پر جو لغوی اور ادبی تنقید کی ہے وہ فن تنقید کا اعلیٰ نمونہ ہے، باوجودیکہ یہ بیان دونوں کے دائرۂ اسلام میں داخل ہونے سے قبل کا ہے مگر اس سے حضرت خنساء کی تنقیدی صلاحیت کا ثبوت ضرور فراہم ہوتا ہے۔

حضرت حسانؓ نے ایک موقع پر اپنا ایک پسندیدہ شعر سنایا اور دعوتِ مبارزت دی۔

لنا الجفنات الغر یلمعن فی الضحیٰ　　　　واسیافنا یقطرن من نجدۃ دما

(ہمارے پاس بڑے بڑے صاف و شفاف برتن ہیں جو چاشت کے وقت چمکتے ہیں، ہماری تلواریں بلندی سے خون ٹپکاتی ہیں)

اس شعر میں سخاوت و شجاعت کا حال بیان کیا گیا ہے، حضرت خنساء نے اسے سن کر اس پر تنقیدی نظر ڈالی اور فرمایا:

۱۔ جفنات جمع قلت ہے، اس کے بجائے جفان کہا جاتا تو مفہوم میں زیادہ وسعت پیدا ہو جاتی۔

۲۔ "غر" پیشانی کی صباحت کو کہتے ہیں، اس کے مقابلے میں بیض زیادہ وسیع المعنی ہے۔

۳۔ "یلمعن" عارضی چمک کو کہتے ہیں، اس کے بجائے "یشرقن" کہا جاتا تو بہتر تھا، کیونکہ اشراق لمعان سے زیادہ پائدار ہے۔

۴۔ "ضحیٰ" کے بجائے "دجیٰ" کہا جاتا تو زیادہ مناسب تھا، کیونکہ روشنی سیاہی کے مقابلے میں زیادہ قابل وقعت ہوتی ہے۔

۵۔ اسیاف جمع قلت ہے، سیوف کا استعمال زیادہ بہتر تھا۔
۶۔ "یقطرن" کے بجائے "یسلن" سے معنی زیادہ وسیع ہو جاتا ہے، کیونکہ خون کا سیلان اس کے قطرہ قطرہ ٹپکنے سے زیادہ موثر ہے۔
۷۔ "دم" (واحد) کے مقابلہ میں دماء (جمع) لانا بہتر تھا۔

یہ اعتراضات سن کر حضرت حسانؓ خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا۔

اوپر حضرات صحابہ کرامؓ کے شاعری سے شغف اور اس پر ان کے نقد و تبصرہ کی ایک ہلکی سی جھلک دکھائی گئی، لیکن ان اربابِ ذوق کی تسکین کا سامان صرف شاعری ہی نہیں تھا، یہ اور بات ہے کہ انھوں نے اس صنف کی طرف زیادہ توجہ مبذول فرمایا، کیونکہ عربوں کو فنِ شاعری سے جو تعلق اور وابستگی رہی ہے وہ اس کی متقاضی تھی کہ اسے عام کوچہ و بازار سے نکال کر اصلاحِ قوم و ملت کا ایک فعّال و متحرک ذریعہ بنا دیا جائے اور یہ باور کرا دیا جائے کہ یہ صنفِ سخن محض تفریح اور تسکین کا سبب ہی نہیں بلکہ تبلیغ و دعوت کے مقدّس فریضہ کی ادائیگی کا روشن باب بھی ہے۔

ان جاں نثارانِ رسالت کی اصلاحی کاوشیں جس قدر صنفِ شاعری کی طرف رہیں اس سے کچھ کم نثر کی طرف نہیں رہیں، اور ان کے ذوقِ لطیف نے اس پہلو کو تشنہ نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی مبصّرانہ صلاحیت، ناقدانہ بصیرت، علمی ذوق، فکری بلندی اور اس سب سے بڑھ کر دربارِ نبوت کی حاشیہ نشینی کے فیض سے اس صنف میں بھی انھوں نے بیش بہا کارنامے انجام دیئے ہیں، اور دنیا کو ثقل و پیچیدگی سجع و قوافی، لغو و بیہودہ تشبیہات و استعارات اور پراگندہ و دور از کار تعبیرات و خیالات سے نجات دلا کر سہل و سادہ، شیریں و رواں اور حسنِ تخیّل سے آراستہ کلام کی طرف گامزن کر دیا، تاکہ ہر سطحِ ذہن و فکر کا حامل شخص اس سے مکمل طور پر مستفید ہو سکے اور تخلیق کاری کی کاوشوں کا پورا فائدہ حاصل ہو سکے۔

ان اصحابِ ذوق نے اپنی کوششیں مروّجہ صنفِ سخن اور اسلوبِ کلام پر نقد و تبصرہ کے ساتھ ساتھ اصحابِ قلم کی ذہن سازی اور محمود و مطلوب اسلوبِ بیان کی ترویج و اشاعت پر بھی صرف کیں، تاکہ ادب کا صاف شفاف نمونہ

ارباب ذوق کے سامنے آجائے، جس کو اختیار کرکے وقت کی ضرورت اور حالات کے تقاضے کو احسن انداز سے پورا کیا جا سکے، اور تخلیق کار کی کاوش حیات پرور نظریات کو جنم دے اور فرسودہ رجحانات و نظریات کو بدلنے کا سبب بنے۔

صحابہ کرامؓ نے اس پہلو کی طرف توجہ فرمائی، اس کی اہمیت و افادیت کو عام کیا اور اصول و مبادی کے طور پر اس صنف کے نکات اور باریکیوں کو بیان کیا، مثلاً حضرت علی نے فرمایا ہے:۔

البلاغة ایضاح الملتبسات	آسان عبارت میں مشتبہ الفاظ کی
وکشف عوّار الجهالات، بأسهل	وضاحت کرنے اور لاعلمی کے پردے
ما یکون من العبارات[۴۵]	کو چاک کرنے کا نام بلاغت ہے۔

حضرت عمرو بن العاصؓ نے فرمایا:۔

هو ابلغ الناس الذی	بلیغ ترین شخص وہ ہے جس نے
اقتصر علی الایجاز وتنکّب	اختصار پر اکتفا کیا اور غیر ضروری چیزوں
الفضول[۴۶]	سے اپنا دامن بچایا۔

حضرت حسن کا ارشاد ہے:۔

البلاغة لعید الحکمة	آسان الفاظ کے ذریعہ انتہائی حکمت
با سهل العبارة[۴۷]	کو بیان کرنے کا نام بلاغت ہے۔

اور حضرت محمد بن علیؓ کا قول ہے:۔

البلاغة قول مفقه فی	بلاغت نرم وگداز انداز میں کہی گئی
لطف ما یعطف به القلوب النافرة	وہ سمجھداری کی بات ہے جو گریزاں دلوں
ویؤنس القلوب المستوحشة	کو اپنی طرف مائل کرے، نامانوس قلوب
وتلین به العریکة الأبیّة	میں جاگزیں ہو جائے، اس کے ذریعہ
المستصعبة ویبلغ به الحاجة	سخت و کرخت طبیعتیں نرم ہو جائیں،
وتقام به الحجة[۴۸]	ضرورتیں پوری ہوں اور تعلقات قائم ہوں۔

یہ جملہ بیانات اس صنفِ ادب کی زلفِ پریشاں کو آراستہ کرنے کا سبب اور اس کی تلقین و تعلیم کی غمّاز ہیں، تاکہ کلام کا حقیقی مقصد اور مدّعا عوام کے

سامنے ظاہر ہو سکے، نبی اکرمؐ نے اپنے ایک ارشاد میں اسی کی طرف رہنمائی فرمائی ہے، ایک شخص نے آپؐ سے سوال کیا فیما الجمال ؟ (یا رسول اللہ جمال کس میں ہے) اس کے جواب میں آپؐ نے فرمایا فی اللسان یرید البیان[۹۹] (زبان میں ہے جس سے آپ کی مراد بیان ہے۔)

ایک حدیث میں ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا :۔

ان اللہ یکرہ الانبعاق	بیشک اللہ کلام میں پر تکلف انداز
فی الکلام فنضر اللہ وجہ	کو ناپسند کرتا ہے، اللہ اس شخص
رجل اوجز فی کلامہ و	کے چہرے کو شاداب کرے جس نے
اقتصر علی حاجتہ[۱۰۰]	اپنے کلام میں اختصار سے کام لیا
	اور ضرورت پر اکتفا کیا۔

اس قدر واضح ہدایت و رہنمائی کے بعد یہ کس طرح ممکن تھا کہ عاشقانِ رسالت مآب کی یہ جماعت اپنے حبیبؐ کے ان ارشادات کو حرزِ جاں نہ بناتی، اس صنفِ سخن کی طرف توجہ نہ کرتی اور اس کے اصلاح کی فکر میں سرگرداں نہ ہوتی۔

حضرات صحابہؓ نے اپنے تبصرے، تنقید، بیانات، اندازِ کلام، حسنِ تخیل اور اختصارِ کلام کے ساتھ معنی آفرینی کے ذریعہ ادب کے اس ممتاز پہلو کو آراستہ و پیراستہ کیا اور عہدِ جاہلیت کی ان تمام خامیوں کو جو اس دور کے نثری ادب کا لازمی حصہ تھیں، مثلاً مسجّع و مقفّیٰ عبارت، دقیق و دشوار الفاظ، جس میں یا تو اغلاق و اختصار کی انتہا ہوتی یا پھر بے جا تفصیلات کا غیر مربوط دفتر، ان سب کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھا، اور مقتضائے حال کے مطابق الفاظ کے انتخاب و ترتیب میں احتیاط و ہوشمندی کے ساتھ ایسے اسلوب و اندازِ بیان کو فروغ دیا جس کی اتباع و تقلید میں زندگی و تابندگی کا عنصر پنہاں ہے، مثلاً حسنِ ایجاز کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضرت علی نے فرمایا :۔

ما رأیت بلیغاً قط الاوله	میں نے اس شخص سے بڑا کوئی
فی القول ایجاز فی	فصیح و بلیغ نہیں دیکھا جس کے قول

المعانی اطالۃ [۵۱] میں اختصار اور معانی میں طول ہو۔

حضرت حسن بن علیؓ نے ایک مرتبہ لوگوں کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا :۔

اعلموا ان الحکمۃ زین	لوگو یاد رکھو دانائی بڑی زینت کی چیز
والوقار مروۃ والاکثار صلف	ہے اور مروّت وقار ہے، حد سے گزرنا
والعجلۃ سفہ والسفہ	زیادتی ہے، جلدبازی حماقت ہے اور
ضعف والغلق ورطۃ، و	حماقت کمزوری ہے، پیچیدگی دام فریب
مجالسۃ أھل الدناءۃ شین	ہے، گھٹیا لوگوں کے ساتھ بیٹھنا باعث
ومخالطۃ اھل الفسوق	عار ہے، اور نافرمان لوگوں کے ساتھ
ریبۃ [۵۲]	میل جول شک وشبہ کا باعث بنتا ہے۔

اس خطبہ میں جہاں اخلاق کی بلندی اور پاکیزگی پر زور دیا گیا ہے، وہیں زبان وادب کی اصلاح ودرستگی کی اہمیت کو بھی جاگزیں کیا گیا ہے کہ کلام میں معانی سے زیادہ طوالت اور اغلاق وپیچیدگی سے پرہیز اور ناپسندیدہ افراد کی اتباع وتقلید سے احتیاط کو لازم قرار دینا چاہیے۔

کلام میں سجع کی قباحت کو بیان کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا ہے :۔

ایاک والسجع فی الدعاء	دعا میں سجع سے بچو، میں نے
فانی شھدت النبی صلی اللہ علیہ	نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب
وسلم واصحابہ لایفعلون ذالک [۵۳]	کو دیکھا ہے کہ وہ ایسا نہیں کرتے تھے۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ نے بھی لوگوں کو کلام میں مسجع ومقفّٰی عبارت اختیار کرنے سے روکا ہے [۵۴]

ان تمام ادبی گوشوں اور لسانی پہلوؤں کی خامی وکمزوری کو ان نفوسِ قدسیہ نے نہ صرف یہ کہ اجاگر کیا بلکہ اپنے کلام وبیان میں ان پہلوؤں کا خاص خیال رکھا ہے۔ اس کی عمدہ مثالیں ابومنصور ثعالبی کی کتاب "الاعجاز والایجاز" (مطبوعہ مصر ۱۸۹۷ء) قاضی ابوالعباس احمد الجرجانی کی "المنتخب من کنایات الأدباء وإشارات البلغاء" (مطبوعہ دائرۃ المعارف حیدرآباد ۱۳۰۸ھ) اور استاذ علی الجندی کی صور البدیع وفن

الاسجاع" (مطبوعہ قاہرہ ۱۹۵۱ء) میں دیکھی جاسکتی ہیں۔
اس موقع پر سیدنا عمر فاروقؓ کے اس تبصرے کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا جو انھوں نے اسلام قبول کرنے سے پہلے قرآن کریم کی شیرینی و حلاوت دیکھ کر کیا تھا، انھوں نے فرمایا تھا:

أھذا ھو الکلام الذی جاء بہ محمد؟ انہ عذب جمیل، انّ فی ھذا الکلام حلاوۃ وفی آیاتہ بلاغۃ، وفی آیاتہ بلاغۃ وفی الفاظہ عذوبۃ ولمعانیہ تأثیر ولا یمکن إلا ان یکون کلام اللہ لا کلام بشر من الناس[۵۵]	کیا یہ وہی کلام ہے جس کو محمدؐ لے کر آئے ہیں؟ بیشک یہ نہایت عمدہ اور لطیف ہے، اس کلام میں مٹھاس ہے، اس کی آیتوں میں بلاغت ہے، اس کے الفاظ میں شیرینی ہے، اس کے معانی میں تاثیر ہے۔ یہ خصوصیات صرف اللہ کے کلام میں پائی جاسکتی ہیں کسی انسان کے کلام میں نہیں۔

سقیفۂ بنو ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ نے جو تقریر کی تھی اس کے بارے میں حضرت عمرؓ نے یوں اظہارِ خیال کیا:

فما ترک شیئاً کنت زوّرت فی نفسی ان اتکلّم بہ لو تکلّمت الاّ قد جاء بہ او باحسن منہ[۵۶]	میں نے اپنی تقریر کے لیے جو عمدہ جملے سوچے تھے انھوں نے فی البدیہہ اس جیسے یا ان سے بہتر جملے کہے۔

حضرت عمرؓ کا یہ اعتراف نثر کی دنیا میں ان کے اعلیٰ ادبی ذوق کا پتہ دیتا ہے۔
اسی طرح ایک موقع پر حضرت عمرؓ نے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے علم و فضل پر تبصرہ کرتے ہوئے فرمایا "کنیف وملئي علماً" (ایک ظرف ہے جو علم و فضل سے بھرا ہوا ہے)
فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامنِ فیض سے وابستہ اصحاب کی نگارشات و تنقیدات کی یہ وہ روئداد ہے جسے قوموں اور نسلوں کی فلاح و بہبود کے جذبے نے وجود بخشا، جس میں ان کی فکری ادبی اور لسانی اصلاح و تربیت کا عنصر شامل ہے، کیونکہ یہ نفوسِ قدسیہ ایسے سماج کی تشکیل چاہتے تھے جو تقویٰ و للہیت کے

ساتھ ساتھ تہذیب و ثقافت کا اعلیٰ نمونہ بھی ہو۔

کسی بھی قوم کا ادب اس کی تہذیب و ثقافت کا آئینہ دار ہوتا ہے، اس سے اس کی فطرت و طبیعت اور تہذیب و معاشرت کی عکاسی ہوتی ہے، اس سے وہ اپنی تاریخ آراستہ کرتی ہے اور ذہن و فکر پر ایسے نقوش مرتسم ہوتے ہیں جس کے اثرات تادیر قائم رہتے ہیں اور پھر نسلیں اس سے استفادہ کرتی رہتی ہیں۔

ان بزرگانِ پاک طینت نے انہی افکار سے سرشار ہو کر اس صنف کو اپنا مرکزِ توجہ بنایا اور فکری برتری اور لسانی تفوّق کے ذریعہ گلشنِ ادب کو ان خوشنما پھولوں سے آراستہ کیا جس میں ہر ذوق کی تسکین اور ہر خواہش کی تکمیل ہے جس میں زبان کی روانی بھی ہے الفاظ کی شیرینی بھی، سرخوشی و سرمستی بھی ہے اور عبرت و نصیحت بھی، فصاحت و بلاغت بھی ہے اور مقتضائے حال کی رعایت بھی، ادب کا بانکپن بھی ہے زبان کی متانت بھی، تکلفات سے بیزاری بھی ہے اور حسنِ ایجاز کی جلوہ گری بھی، نقد و تبصرہ بھی ہے اور تحلیل و تجزیہ بھی اور ان سب پر مستزاد ایسے اسلوب و اندازِ بیان کی اشاعت و ترویج کا جذبہ بھی جس میں انھوں نے اپنے پاکیزہ فکر و تخیّل، ذوق و نظر، جوش و جذبہ اور لگن و امنگ کا بھرپور ثبوت فراہم کیا ہے۔

اس سے آشکارا ہوتا ہے کہ یہ بندگانِ خدا صرف راتوں کے عبادت گزار اور دن کے شہسوار ہی نہ تھے بلکہ میدانِ شعر و سخن کے تاجدار اور بیان و معانی کے ایسے درِ شہوار بھی تھے جس کی تابندگی و درخشندگی میں قومیں اپنے علم و ذوق کے گیسو آراستہ کر سکتی ہیں، اور ملتیں اپنی بقا و تحفظ کا سراغ پا سکتی ہیں۔

حوالہ جات

۱؎ ابن رشیق قیروانی، "العمدہ" مطبوعہ مصر ۱۹۵۵ء جلد اول صـ۲۷

۲؎ سنن ابوداؤد، کتاب الادب، باب ماجا فی الشعر نیز ملاحظہ کیجئے عبدالقاہر جرجانی "دلائل الاعجاز" مطبوعہ مطبعۃ المنار بدون تاریخ صـ۱۳

۳؎ ابن رشیق قیروانی "العمدہ" جلد اول صـ۲۷ ۴؎ حوالہ سابق

۵ھ "دلائل الاعجاز" ص۱۳۱، یہی حدیث الفاظ کے قدرے فرق کے ساتھ "جامع ترمذی" ابواب الفضائل میں بھی مروی ہے۔

۶ھ العمدہ جلد اول ص۲۹

۷ھ قدامہ بن جعفر "نقد النثر" دار الکتب المصریۃ بالقاہرہ ۱۹۲۳ء ص۸۲

۸ھ سنن الترمذی، کتاب المناقب، باب فضل عائشہ

۹ھ ذہبی، تذکرۃ الحفاظ، مطبعۃ مجلس دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۳۳۳ھ طبع دوم ۲۷/۱

۱۰ھ امام بخاری "الادب المفرد" باب الشعر

۱۱ھ استاذ خالد محمد خالد "خلفاء الرسول" مطبوعہ بیروت ۱۹۷۱ء ص۳۱

۱۲ھ مسند احمد جلد دوم ص۱۳۳

۱۳ھ صحیح بخاری، کتاب المناقب، باب مقدم النبی واصحابہ الی المدینہ

۱۴ھ العمدہ جلد اول ص۳۳

۱۵ھ جاحظ "البیان والتبیین" المکتبۃ التجاریۃ الکبریٰ مصر ۱۹۴۷ء ۲۲۲/۱

۱۶ھ ابن قتیبہ "الشعر والشعراء" مطبوعہ بیروت ۱۹۶۴ء ص۲۵۵

۱۷ھ العمدہ اول ص۲۷

۱۸ھ استاذ السباعی بیومی "تاریخ القصۃ والنقد" مطبوعہ مصر ۱۹۵۶ء ص۱۱۶

۱۹ھ حوالہ سابق

۲۰ھ العمدہ اول ص۲۴

۲۱ھ احمد حسن زیات "تاریخ الادب العربی" مطبع الاعتماد بمصر ۱۹۳۰ء ص۱۰۱

۲۲ھ عباس محمود عقاد "العبقریات الاسلامیہ" دار الفتوح القاہرہ ص۹۴۳

۲۳ھ حاجی معین الدین ندوی "خلفاء راشدین" مطبع معارف اعظم گڑھ ۱۹۷۳ء اول ص۳۳۵

۲۴ھ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، دائرۃ المعارف العثمانیہ حیدرآباد ۱۳۴۱ھ، ۱۶۳/۳

۲۵ھ العمدہ جلد اول ص۲۸

۲۶ھ حوالہ سابق

۲۷ھ قدامہ بن جعفر "نقد الشعر" مطبعۃ دار الکتب المصریہ بالقاہرہ ۱۹۳۳ء ص۷

۲۸ھ العمدہ اول ص۲۸ ۲۹ھ ایضاً

۳۰؎ "الشعر والشعراء" اول ص۷۶
۳۱؎ تاریخ القصۃ والنقد ص۱۱۵
۳۲؎ در فواد افرام البستانی "المجانی الحدیثہ" المکتبۃ الکاثولیکۃ بیروت، بدون تاریخ جلد دوم ص۶۷
۳۳؎ العمدہ اول ص۹۷
۳۴؎ مقدمہ دیوان حسان ص۴۴، بحوالہ نقوش رسول نمبر ادارۂ فروغِ اردو لاہور جلد ہشتم۔
۳۵؎ العمدہ اول ص۹۵
۳۶؎ ابوعبیداللہ المرزبانی "الموشح" بحوالہ ابوبکر الصدیق از علی طنطاوی المطبعۃ السلفیۃ قاہرہ ۱۳۷۲ھ ص۲۱۱
۳۷؎ جلال الدین السیوطی "تاریخ الخلفاء" مطبع مجتبائی دہلی ۱۳۰۹ھ ص۵۸
۳۸؎ "الشعر والشعراء" اول ص۷۶، العمدہ اول ص۹۸
۳۹؎ المبرد "الکامل" مطبعۃ التقدم العلمیۃ بمصر ۱۳۲۳ھ اول ص۶۱
۴۰؎ العمدہ اول ص۹۳ ۴۱؎ ایضاً
۴۲؎ ابوالفرج اصفہانی "الاغانی" مطبعۃ لجنۃ التالیف والترجمۃ والنشر القاہرہ ۱۹۴۹ء،
جلد ۱۶ ص۱۷۱
۴۳؎ ابن قیمؒ "مدارج السالکین" ص۲۷۷ بحوالہ سیرتِ عائشہؓ از سید سلیمان ندوی، مطبع معارف
اعظم گڑھ ۱۹۶۸ء ص۲۶۱
۴۴؎ درِ منثور ص۱۱ بحوالہ صحابیات از نیاز فتحپوری نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۵۷ء ص۱۸۷
۴۵؎ کتاب الصناعتین ص۵۱ ۴۶؎ العمدہ اول ص۲۴۳
۴۷؎ کتاب الصناعتین ۴۸؎ ایضاً ص۵۱ ۴۹؎ العمدہ اول ص۲۴۱
۵۰؎ ایضاً ص۲۴۱ ۵۱؎ ایضاً ص۱۴۷ ۵۲؎ ایضاً ص۲۳
۵۳؎ "نہایت الارب" از نویری جلد ۵ ص۲۷۵ بحوالہ صور البدیع دار الفکر العربی القاہرہ ۱۹۵۱ء ص۱۱۸
۵۴؎ نیاز فتحپوری "صحابیات"، نفیس اکیڈمی کراچی ۱۹۵۷ء ص۵۹
۵۵؎ ڈاکٹر احمد بدوی "من النقد والادب" مکتبہ نہضۃ مصر بدون تاریخ ص۱۳۱۔
۵۶؎ محمد بن جریر طبری، تاریخ الرسل والملوک، دار المعارف مصر ۳/۲۰۵
۵۷؎ علامہ شبلی نعمانی "الفاروق" معارف پریس اعظم گڑھ ۱۹۵۶ء ص۲۶۵